ایمانیات سے متعلق متجددانہ رجحانات پر نقد و تجزیہ کا تحلیلی مطالعہ

(An Analytical Study of the Critique and Analysis of Modern Trends in Faith)

محمد شہباز[1]

حافظ جمشید اختر[2]

Abstract:

There are various modern trends in the subcontinent, some of which are related to faith. In this regard, the modern trends of the subcontinent have found modern trends in relation to Allah, His Messenger, Resurrection, Paradise, Hell and Resurrection. These tendencies have also been sharply criticized by traditionalist Muslim scholars.

This article presents a study of the above-mentioned modern trends and the critical ideas and theories that emerge from them. In order to look in the mirror of research, what is the nature of the tendencies of the holders of modern trends? And how important is cash to them? In the following discussion, we will present a critical analysis of modern trends as well as an analytical study of the arguments of the parties.

Keywords: *Modern trends, subcontinent, Resurrection, tendencies*

خدا اور اس سے متعلق عقیدے کے بارے میں کئی ایک متجددانہ رجحانات پائے جاتے ہیں۔ ان رجحانات پر مختلف روایت پسند علما و محققین کی طرف سے نقد کیا گیا ہے۔ ان سطور میں اس حوالے سے سامنے آنے والے نمایاں متجددانہ رجحانات اور ان کے نقد و تجزیے پر ہونے والے کام کا مطالعہ پیش کیا جارہا ہے۔

استوا علی العرش

استوی علی العرش کا ذکر قرآن کریم اور اسلامی نصوص و روایات میں کثرت سے آتا ہے۔ اس کی تعبیر عمومی طور پر یہ کی جاتی ہے کہ اللہ عرش پر مستوی ہے۔ لیکن کچھ لوگوں نے اس کی تعبیر اس روایتی تعبیر سے ہٹ کر عقلی اور تمثیلی انداز میں پیش کی ہے مثلاً اس

[1] ۔ پی ایچ ڈی سکالر شعبہ عربی و علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا

[2] ۔ پی ایچ ڈی سکالر شعبہ عربی و علوم اسلامیہ، یونیورسٹی آف سرگودھا

کے معنی ہیں اللہ اپنے تخت (جہاں داری) پر متمکن ہوا۔اور وہ اپنے تخت (جہانبانی) پر متمکن ہو گیا۔اور وہ اپنے تخت حکومت پر متمکن ہو گیا۔[3]

اس رجحان پر دیگر اہلِ علم و قلم نے نقد کیا اور کتاب و سنت اور آئمۂ سلف کی تعبیرات کی روشنی میں اس کی تردید کی ہے۔ان اہلِ علم کے نزدیک مذکورہ تعبیر استویٰ علی العرش کے قرآنی الفاظ کے مفہوم سے تجاوز ہے اوراصل مفہوم سے اعراض ہے۔

مثلاً ڈاکٹر محمد دین قاسمی پرویز صاحب کے اس موقف کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

> "ان الفاظ کا حقیقی معنٰی یہی ہے کہ وہ تخت پر متمکن ہو گیا۔ترجمہ میں جہانداری اور جہانبانی اور حکومت کے الفاظ خودساختہ ہیں، تاکہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر قرار پکڑنے کے مفہوم سے انحراف کیا جا سکے ، حالانکہ لغت کی رو سے بھی 'استویٰ علی العرش ' کا معنٰی کسی چیز پر جم کر بیٹھنا ، متمکن ہونا " ہی مذکور رہے خود پرویز صاحب کو بھی اس معنٰی کا اعتراف ہے۔"[4]

لفظ " اللہ " کے انوکھے مفاہیم اور نرالے معانی

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کو ایک ایسی ہستی کے طور پر پیش کرتا ہے جو خالق، قادر، رازق، پروردگار، ہادی، شارع، محی، ممیت، محاسب وغیرہ ہے لیکن بعض لوگوں نے اس لفظ کو ایسے معانی میں استعمال کیا ہے، جو عرف عام میں اور کتب لغت میں یکسر معدوم ہیں، اور بہر حال، خالق کی بجائے، مخلوق پر ہی اطلاق پذیر ہوتے ہوئے چند معانی ومفاہیم ملاحظہ فرمایئے۔

اللہ بمعنی نظام

قرآن کریم کی آیت "وَاعلَمُوااَنَ اللهَ غَنِی حَمِید" کا ترجمہ ، ہر عالم نے اس طرح کیا ہے کہ اللہ کا لفظ ایک زندہ جاوید ہستی کا تصور پیش کرتا ہے ،لیکن پرویز صاحب ان لفاظ کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں۔

> "یاد رکھو خدا کا نظام ایسا نہیں کہ وہ بھیک مانگتا پھرے ، اور تم اس کی جھولی میں بچے کھچے ٹکڑے ڈال دو ، وہ اس قسم کی خیرات سے بے نیاز اور ہر قسم کی ستائش کا سزاوار ہے۔"[5]

---

[3] فتح پوری، من ویزداں، 283۔

[4] فتح پوری، من ویزداں، 281۔

[5] غلام احمد پرویز، مفہوم القرآن (لاہور، طلوع اسلام ٹرسٹ، 1961ء)، 106۔

اللہ بمعنیٰ قانون

اسی طرح اللہ بمعنیٰ نظام کے بعد دوسرا اللہ کا معنیٰ قانون کیا ہے۔مثلا " اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ"[6]یقینا وہی سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ جبکہ کچھ لوگ اس کا معنیٰ اس طرح کیا ہے کہ یہ قانون خدا کا ہے جو خدا ہر بات سننے اور جاننے کی طاقت رکھتا ہے۔ [7]

اللہ بمعنیٰ قانون مکافات :

اللہ کا تیسرا معنیٰ قانون مکافات کیا گیا ہے۔سورۃ مائدہ میں ارشاد خداوندی ہے۔" اِنَّہٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ"[8] بے شک اللہ دلوں کے راز تک جانتا ہے۔ مگر متجددانہ رجحانات کی حامل بعض شخصیات نے ان الفاظ کا مفہوم یوں پیش کیا ہے۔خدا کا قانون مکافات، دل میں گزرنے والے خیالات تک کا بھی علم رکھتا ہے۔ [9]

رب العالمین بمعنیٰ نظام ربوبیت

صفات باری تعالیٰ میں سے قرآن نے ایک صفت رب العالمین ہونا بیان کی ہے ، اور قرآن نے متعدد مقامات پر اسے بیان کیا گیا ہے مثلاایک مقام پر یہ الفاظ آئے ہیں۔"وَأُمِرۡنَا لِنُسۡلِمَ لِرَبِّ ٱلۡعَٰلَمِينَ"[10]اور ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ تمام جہانوں کے پروردگار کے مطیع فرمان رہیں۔لیکن پرویز صاحب اس آیت کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں۔ " ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اسی راستہ کو اختیار کریں اور خدا کے عالم گیر نظام ربوبیت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔"[11]

رسولوں پر ایمان

---

[6] الانفال8: 61۔

[7] پرویز، مفہوم القرآن،106۔

[8] المائدہ5: 7۔

[9] پرویز، مفہوم القرآن،242۔

[10] الانعام6: 71۔

[11] پرویز، مفہوم القرآن،303۔

ایمان بالغیب کا چوتھا جزو انبیاء پر ایمان ہے۔نبی وہ ہستی ہوتی ہے،جس پر اللہ تعالیٰ اپنے ایک معتبر فرشتہ جبرائیل کے ذریعے اپنا پیغام وحی کرتا ہے۔اور یہ نبی انسان ہی ہوتا ہے نبی پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان یہ یقین رکھے کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا فرشتہ بھیج کر اپنا پیغام نازل کیا ہے۔تاکہ اس دعوت پر جو ایک نبی پیش کرتا ہے کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔اللہ تعالیٰ فرشتہ جبرائیل کے ذریعہ جو پیغام بھیجتا ہے اسے وحی کہتے ہیں۔انبیاء کو بعض دفعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے معجزات بھی عطاء کئے جاتے ہیں جن کا مقصد کفار پر حجت قائم کرنا اور مومنین کے ایمان میں پختگی کا سبب بنتا ہے، جب کہ متجددانہ موقف کی حامل شخصیات نے جہاں وحی کے منزل من اللہ ہونے کا انکار کیا ہے وہاں وہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے مراد دو شخصیات نہیں لیتے بلکہ ان کے نزدیک اللہ اور رسولؐ سے مراد مرکز اسلامی یا مرکز ملت ہے ملاحظہ فرمائیں۔

> "اللہ تعالیٰ کی ذات جہت اور سمت کی تمام نسبتوں سے پاک ہے۔اس لئے نزول وحی سے مراد یہ نہیں کہ کوئی چیز سچ مچ اوپر کی سمت سے نیچے کی سمت کو آتی ہے۔خدا تو رگ جان سے بھی قریب ہے۔اس لئے وحی کی خارجیت اصل مقصد یہ بتانا ہے کہ یہ وحی ذہن انسانی کی پیداوار نہیں اور نہ ہی اس میں صاحب وحی کے کسب وہنر کو کوئی دخل ہے۔" [12]

متجددانہ رجحانات کی حامل شخصیات کا یہ موقف چونکہ اسلام کی تعبیر سے متصادم تھا اس لئے علما محققین نے اس پر ناقدانہ دلائل پیش کرتے ہوئے نقد کیا ہے۔جیسا کہ ڈاکٹر محمد دین قاسمی صاحب کے مطابق پرویز صاحب ذات باری تعالیٰ اور اس کے پیغمبرؐ سے مراد،ان دو زوات کو نہیں لیتے ، جن میں ایک ہستی" فَاطِرُالسَمٰوٰتِ وَالارضِ " ہے اور دوسری اس کی طرف سے مامور وہ محترم شخصیت ہے کہ جس کی زندگی اہل ایمان کے لئے اسوہ حسنہ ہے،بلکہ وہ اللہ اور رسول سے مراد مرکز نظام اسلامی یا مرکز ملت لیتے ہیں،چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔اللہ اوررسول سے مراد ، مرکز نظام اسلامی ہے۔[13] اللہ اور رسول سے مراد ، اسلامی مملکت یا قرآنی نظام حکومت ہوتا ہے۔[14] اللہ اور رسول سے مراد وہ مرکز اسلامی)

---

[12] پرویز، آدم وابلیس، 261۔

[13] قاسمی، تفسیر مطالب الفرقان، 2: 340 ۔

[14] قاسمی، تفسیر مطالب الفرقان، 2: 70۔

ہے، جہاں قرآنی احکام نافذ ہوں ، یہ حقیقت کہ اللہ ورسول سے مراد ،مرکز ملت ہے ، (Central authority) قرآن کریم میں ایسے واضح الفاظ میں اور شرح وبسط سے بیان ہوئی ہے کہ ان مقامات کو بغور دیکھ لینے کے بعد ، اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔[15]

3۔فرشتوں پر ایمان

اس بات پر پختہ اعتقاد رکھنا کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہیں جسے اس نے نور سے پیدا فرمایا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کرتے ہیں ، اور وہ انہیں جو حکم دیتا ہے وہ کر گزرتے ہیں، اور اس کی نافرمانی نہیں کرتے، وہ دن رات اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں ، اور اس سے ذرا نہیں اکتاتے، اوران کی تعداد کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور اس نے ان کے ذمہ مختلف قسم کے فرائض سونپ رکھے ہیں۔یاد رہے کہ ایمان بالملائکہ یعنی فرشتوں پر ایمان لانا، ایمان کے ان چھ ارکان میں سے دوسرا رکن ہے جن کے بغیر بندے کا ایمان نہ تو درست ہوتا ہے اور نہ ہی قبول کیا جاتا ہے، اور مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ معزز فرشتوں پر ایمان لانا واجب ہے، اور اگر کوئی شخص ان کے وجود کا، یا ان میں سے بعض کے وجود کا انکار کرے ، تووہ کافر ہے اور کتاب وسنت اور اجماعِ امت کا مخالف ہے۔جب کہ متجددانہ رجحانات رکھنے والے لوگوں کو کاموقف اس اجماعی موقف کے خلاف ہے،مثلاان کے نزدیک کوئی شخص اللہ کے فرشتوں ،اس کے نبیوں اور اس کی کتابوں پر ایمان لائے بغیر بھی محض خدا اور آخرت پر یقین رکھنے سے آدمی جنت کا حقدار ہوسکتا ہے۔نیزکوئی بھی شخص جو اچھے اعمال کرتا ہو خواہ وہ مسلمان ہو یا یہودی یاکسی بھی مذہب کو ماننے والا ہو وہ جنت کا حقدار بن سکتا ہے۔[16]اسی طرح فرشتوں کے بارے میں کہاگیاہے کہ یہ ملائکہ ہماری اپنی ہی داخلی قوتیں ہیں یعنی ہمارے اعمال کے وہ اثرات جو ہماری ذات پرمرتب ہوتے رہتے ہیں ،جب انسانی اعمال کے نتائج

---

[15] غلام احمد پرویز، معراج انسانیت (لاہور، طلوع اسلام ٹرسٹ،2002ء)،318۔

[16] غامدی، میزان،32۔

محسوس شکل میں سامنے آتے ہیں، قرآن اسے قیامت سے تعبیر کرتا ہے۔[17] ملائکہ سے مراد خارجی قوائے فطرت، ملائکہ سے مراد داخلی قوتیں، ملائکہ سے مراد طبعی تغیرات ،ملائکہ سے مراد نفسیاتی محرکات ۔[18]

کتب سماویہ پر ایمان

ایمان بالغیب کا تیسرا جزو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ تمام کتابوں پر ایمان لایا جائے۔اللہ تعالیٰ کی الہامی کتابوں اور اسی طرح قرآن مجید پر ایمان بالغیب لانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان یہ یقین رکھے کہ جو پیغام اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کے ذریعے رسول تک پہنچایا ہے وہ فی الواقع اللہ ہی کا کلام یا پیغام ہے نیز یہ کہ جس رسول ﷺ پر پیغام نازل ہوا ہے۔انہوں نے من وعن اس کو دوسرے لوگوں تک پہنچا دیا ہے۔اور اس میں کمی بیشی نہیں کی۔ قرآن کے جملہ احکام واجب التعمیل ہیں۔اس میں ایک حکم کو بار بار دہرایا گیا ہے۔اور وہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے رسول پر یہ کتاب اس لئے اتاری کہ وہ لوگوں کو اس کی تعلیم دے اور اس قرآن کے مجمل احکام کی تشریح وتفسیر کرے اور احکام کی بجا آوری کے طوروطریق بھی لوگوں کو بتائے چنانچہ حامل قرآن نے قرآن کا وہی مفہوم امت کو بتایا ہے۔جس کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے رسول کو دی۔ جب کہ بعض لوگوں کا موقف یہ ہے کہ کوئی بھی شخص جو اچھے عمل کرتا ہو وہ جنت کا حقدار ہے اگرچہ وہ غیر مسلم عیسائی یا یہودی ہی کیوں نہ ہو:

> "کوئی شخص اللہ کے فرشتوں ،اس کے نبیوں اور اس کی کتابوں پر ایمان لائے بغیر بھی محض خدا اور آخرت پر یقین رکھنے سے آدمی جنت کا حقدار ہو سکتا ہے۔نیز کوئی بھی شخص جو اچھے اعمال کرتا ہو خواہ وہ مسلمان ہو یا یہودی یا کسی بھی مذہب کو ماننے والا ہو وہ جنت کا حقدار بن سکتا ہے۔"[19]

آخرت پر ایمان

ایمان بالغیب کی پانچویں کڑی موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونےاور خدا کے حضور پیش ہونے پر ایمان ہے جسے ایمان بالغیب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس دوبارہ زندگی کو قرآن نے آخرت ، یوم الاخرت ، یوم الدین ، قیامت

---

[17] پرویز، ابلیس وآدم، 162۔

[18] قاسمی ، تفسیر مطالب الفرقان کا علمی اور تحقیقی جائزہ، 1: 794۔

[19] جاوید احمد غامدی، سوال وجواب (لاہور: سالانہ مجلہ، مصعبی 2008-2009ء)، 15۔

الساعۃ،یوم،القیامت،یوم النشور،یوم الحشر کئی ناموں سے تعبیر کیا ہےیوم آخرت پر ایما ن لا نے کا مطلب یہ ہے کہ انسان دنیا کی زندگی میں اچھے یا برے اعمال وافعال سر انجام دیتا ہے۔مرنے کے بعد اسے دوبا رہ زند ہ کر کے اس کے اعمال کا بدلہ اسے دیا جائے گا۔اسی دنیا میں انسان کے نیک وبد اعمال کا فوری طور پر اچھا یا برا بدلہ دینا خدا کی مشیئت کے خلا ف ہے۔پھر خدا وند عادل ہے۔لہذا ضروری ہے کہ اس دارالامتحان کے بعد ایک دارالجزاء بھی قائم ہو۔اسی دارالجزاء کا نام یو م آخرت ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اور کتا ب کے ذریعے لوگوں کو یہ بھی بتا دیا ہے کہ انہیں دنیا میں کس طرح زندگی بسر کرنا چاہیے کو ن سے اعمال اچھے ہیں اور کو ن سے برے۔لہذاجو انسان ایسے با وثوق ذرائع سے خدا کے نازل شدہ پیغام کی اتباع نہیں کرتا۔اس کو یقینا سزا ملنی چاہیے۔اسی طرح جو انسان اس کے پیغا م کی نافرمانی کی استطاعت رکھنے کے باوجود اس کا اتباع کرتا ہے۔اس کو اس کی جزاء یا بہتر بدلہ بھی ضرور ملنا چاہیے۔یہی جزا وسزا کا عادلانہ نظام یو م آخرت کو قائم ہو گا۔تھوڑا سا غو ر کرنے سے یہ معلو م ہو جا تا ہے کہ اگر حیات بعد الما ت پر ایمان نہ لایا جائے تو پہلی چا ر چیزوں پر ایمان بالغیب بے معنیٰ ہو کر رہ جا تا ہے کیو نکہ یہی چیز انسان کی عملی زندگی پر سب سے زیا دہ اثر انداز ہوتی ہے پھر ضمنا اس میں جنت اور دوزخ کا ذکر بھی آ جا تا ہے۔[20] مزید تفصیلات جو ہمیں قرآن سے ملتی ہیں وہ یہ ہیں کہ صور میں دو دفعہ پھو نکا جائے گا۔پہلے نفخہ پر یہ کا ئناتی نظا م اس زمین سمیت اور اس پر رہنے والے سب تبا ہ ہو جائیں گے۔اس نفخہ کو الساعۃ " یا مخصوص گھڑی کہا گیا ہے۔اور یہ ایک لخت ہی آن پہنچے گی۔لو گوں میں کسی کو اس کے یک لخت آن پہنچنے کا گمان تک بھی نہ ہو گا۔اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو " الساعۃ" کا وقت معلو م نہیں۔دوسرے نفخہ صورپر تما م مرے ہو ئے انسان اپنی اپنی قبروں یا مدفن سے جی اٹھیں گے۔پھر اللہ کے حضور حا ضری کے لئے روانہ ہو ں گے۔اس دن کو قیامت ، یو م الحشر ، یو م النشور وغیر ہ کہا گیا ہے۔پھر اس کے بعد یو م آخرت کا دور شروع ہو گا۔اس دور میں لو گو ں کا حساب وکتا ب ہو گا۔میزان اعما ل ہو گا گواہیاں بھی حسب ضرورت قائم ہو ں گی ،پھر اللہ تعالیٰ کی عدالت ہو گی۔پھر لو گ اپنے اپنے اعمال کے مطا بق جنت یا دوزخ میں جائیں گے۔ جب کہ متجددانہ موقف کچھ یوں

---

[20] قاسمی، تفسیر مطالب الفرقان کا علمی و تحقیقی مطالعہ،2: 170۔

ہے "پرویز صاحب الساعۃ بمعنیٰ یوم انقلاب ربو بیت کرتے ہیں چناچہ وہ قرآن مجید کی اس آیت" وَإِنَّ ٱلسَّاعَةَ لَاتِيَةٌ فَٱصۡفَحِ ٱلصَّفۡحَ ٱلۡجَمِيلَ "[21] کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: "جس انقلاب کے لئے تم جد وجہد کر رہے ہو وہ تو آکر رہے گا سو تم ان لوگوں سے نہایت عمدگی سے دامن بچا کر نکل جاؤ۔"[22]

یہ موقف چونکہ قرآن وسنت کے موقف اور تعبیر اسلامی کے خلاف ہے اس متجددانہ رجحان پر نقد کرتے ہوئے عبد الرحمٰن کیلانی کا کہنا ہے گو یا پرویز صاحب کے نزدیک الساعۃ سے مراد یوم انقلاب نظام ربو بیت ہے۔ نیز یہ " الساعۃ " ان کے خیال کے مطابق کئی بار آچکی ہے۔ ہر نبی پر یہی نظام ربو بیت نازل ہو تا رہا ہے اور وہ آخر یہ انقلاب بپا کرتے ہی ہوں گے۔ اور رسول اکرم ﷺ نے بھی کیا ہی تھا۔ پھر پرویز صاحب خود بھی اس نظام کے انقلاب کے امید وار ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ یہ نظام ربو بیت نہ کبھی پہلے آج تک قائم ہوا اور نہ کبھی آئندہ قائم ہونے کا امکان ہے۔ لہذا اگر الساعۃ کا یہی مفہوم لیاجائے تو ایسی الساعۃ نہ کبھی پہلے آئی اور نہ ہی آئندہ آئے گی۔[23]

کائنات کا نظام درہم برہم ہونا

عقیدہ آخرت کے اجزاء میں پہلا جزو یہ ہے کہ موجودہ نظام کائنات درہم برہم ہوجائے گا ،اس کی کوئی چیز بھی موجودہ حالت میں باقی وبرقرار نہیں رہے گی قرآن مجید نے مختلف مقامات پر اس صورتحال کی نقشہ کشی کی ہے۔ جب کہ بعض لوگوں کے نزدیک قیامت سے مراد آج جو طاقتور قوموں کو کمزور قوموں پر تسلط حاصل ہے وہ ختم ہو جائے گا اور کمزور قومیں طاقتور بن کر موجودہ طاقتور قوموں کو روند ڈالیں گی۔ جب کہ قرآن مجید نے جس قیامت کی منظر کشی کی ہے وہ بالکل اس موقف کے برعکس ہے جیسا کہ قرآن مجید کی آیت کریمہ جس میں اللہ تعالیٰ نے روز قیامت کا ایک منظر بیان فرمایا ہے:

"اِذَارُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّاوَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا" [24]

"جب زمین کو سخت زلزلہ پیش آئے گا ،اور پہاڑ بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔" [25]

---

[21] الحجر 15:85۔

[22] غلام احمد پرویز، قرآنی فیصلے (لاہور، طلوع اسلام ٹرسٹ، س ن)، 214۔

[23] عبد الرحمن کیلانی، آئینہ پرویزیت (لاہور، مکتبۃ السلام، 2014ء)، 809۔

[24] الواقعہ 56: 5۔

جب کہ متجددانہ رجحانات کے حاملین نے اس کا معنیٰ یوں کیا ہے:

" اس وقت نیچے کے طبقے کے لوگ (عوام جنھیں مستبد قوتوں نے اپنے پاؤں تلے روندر کھاہے) حرکت سے اٹھ کھڑے ہوں گے، اور اوپر کے طبقہ کے بڑے بڑے لو گ یوں منتشر اور پریشان ہوجائیں گے، جیسے تیز آندھی میں گردوغبار اڑا ہو۔"[26]

عالم برزخ:

موت سے لے کر یوم البعث تک کا عرصہ عالم برزخ کہلاتاہے اس علم میں مرنے والوں کی ارواح تو یقیناً اجسام سے الگ ہو کر اپنے وجود برقرارر کھتی ہیں، لیکن ان کے ابدان واجسام یاتو قبور میں مدفون ہو کرزمین یاحشرات الارض کی خوراک بن جاتے ہیں یا سمندر کا پیٹ اور آبی یا بری درندوں کے بطون ان کی قبریں قرار پاتی ہیں یا وہ آگ میں جل کرراکھ ہو کر ان کا ذرہ ذرہ عالم برزخ میں پہنچ جا تا ہے۔ قبرعالم برزخ (جو بجائے خودعالم برزخ ہی کاایک حصہ ہے)ہی کا ایک ایسا مقام ہے جہاں مردہ اپنے ساتھ ہونے والے اچھے یا برے سلوک سے ، اپنی خوش انجامی یا بد انجامی کی پیشگی واقفیت پالیتا ہے،اسی سلوک کو قبر کاعذاب وثواب کہتے ہیں۔

جب کہ بعض متجددانہ رجحانات کے حاملین کے نزدیک برزخ کی مدت موت سے حشر تک ہے جس مدت میں شہداء کے سواسب عالم ممات میں ہوتے ہیں جن کوروز قیامت اللہ کے حضور پیش کر دیاجائے گا عالم برزخ میں زندگی کا کوئی تصور ہی نہیں ہے ان کے نزدیک" برزخ کی مدت مرنے والوں کی موت سے حشر تک ہے کہ اس میں وہ اپنے رب کی حضوری سے آڑ میں رکھے جائیں گے اور جب حشر ہو گا اللہ کے سامنے حاضر کر دیے جائیں گے۔ یہ عالم برزخ جس میں شہداء کے سوا باقی مردے رکھے جاتے ہیں قرآن کے نزدیک مطلق عالم ممات ہے ، جس میں حیات کا کوئی شائبہ نہیں ۔موت اور حشر میں مردوں کے لئے ، فصل زمانی نہیں ہے ، یعنی ان کو برزخ کے زمانہ کا مطلق احساس نہ ہو گا

---

[25] مفتی محمد شفیع، معارف القرآن (کراچی، مکتبہ معارف القرآن، س ن)،4: 330۔

[26] پرویز، مفہوم القرآن،1358۔

۔اہل برزخ کو زمانہ کا مطلق کوئی احساس نہیں ہے اس لئے یہ سمجھنا چاہیے کہ مرنے والے کے لئے موت ہی کا دن اس کا حشر کا دن ہو گا۔"[27]

تقدیر پر ایمان

تقدیر پر ایمان لانا ایمان بالغیب کا چھٹا جزو ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں انسان کو جو کوئی تکلیف یا راحت ملتی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے لیکن بعض حاملین تجدد اس جزو ایمان کو تسلیم نہیں کرتے ان کے نزدیک کہ یہ عقیدہ اسلامی نہیں بلکہ اسے مجوسیوں نے اسلام میں داخل کیا ہے۔

> "اس طرح جب ایک دفعہ فرقہ بندی ہو گئی تو پھر اس کے بعد چل سو چل مجوسی اساورہ نے یہ سب کچھ اسی خاموشی سے کیا کہ کوئی بھانپ ہی نہ سکا کہ اسلام کی گاڑی کس طرح دوسری پٹری پر چل پڑی ہے ، انہوں نے تقدیر کے مسئلہ کو اتنی اہمیت دی کہ اسے مسلمانوں کا جزو ایمان بنا دیا۔چناچہ ہمارے ایمان میں "والقدر خیرہ وشرہ "کا چھٹا جزو انہیں کا داخل کیا ہوا ہے۔"[28]

مسئلہ تقدیر دین اسلام کا ایک اہم مسئلہ ہے جو قرآن وسنت کی واضح نصوص سے ثابت ہے اور اس پر ایمان لانا ایمان بالغیب کا لازمی جزو ہے متجددانہ رجحانات کے حاملین کے اس موقف پر نقد کرتے ہوئے مولانا عبدالرحمٰن کیلانی لکھتے ہیں:اس مسئلہ کا درست حل یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو حی وقیوم اور صاحب اختیار ہستی تسلیم کیا جائے قانون مکافات واقعی درست اور قرآن سے ثابت ہے لیکن قرآن ہی سے اس قانون میں استثنائی صورتیں بھی ثابت ہیں۔اور یہی صورتیں اللہ تعالیٰ کو علی کل شیئ قدیر بھی ثابت کرتی ہیں اور اعمال کے نتائج کبھی کبھی مکافات کے برعکس بھی ہو سکتے ہیں۔جس کے لئے اللہ تعالیٰ کے الگ قوانین ہوتے ہیں اور یہ قوانین انسان کی عقل سے ماوراء ہیں۔[29]

ایمانیات سے متعلق بحث کا تجزیہ

---

[27] اسلم جیراجپوری"عالم برزخ کی حقیقت"طلوع اسلام4 ،شمارہ6 (1949ء)،57۔

[28] پرویز، قرآنی فیصلے،190 ۔

[29] پرویز، آئینہ پرویزیت، 817۔

ایمانیات میں اللہ کے فرشتوں،نبیوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتابوں پر ایمان لانا لازم اور ضروری ہے جس کے بغیر اللہ کی ذات پر ایمان مکمل ہرگز نہیں ہو سکتا۔یہ بات کیسے ممکن ہو سکتی ہے کہ ایک شخص آخرت پر ،روز جزا وسزا پر پر ایمان تو لاتا ہو مگرجس ذات نے اس دن کا تعارف کروایا اور اس دن کے متعلق جو فرشتے وحی لے کر آئے اور جن کتابوں میں مرنے کے بعد جی اٹھنے کی خبر دی گئی ان کو ماننے بغیر وہ آخرت کے دن کے جمیع مراحل پر صدق دل سے ایمان رکھتا ہو یہ بات بعید از عقل ہے متجددین کا یہ موقف قرآن مجید کی واضح ادلہ ، احادیث نبویہ اور صحابہ ،آئمہ محدثین اور جمہور علمائے دین کے منہج سے کسی طرح مطابقت نہیں رکھتا کیونکہ کوئی بھی شخص اس وقت تک کامل مسلمان نہیں بن سکتا جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ساتھ اس کے نبیوں ،فرشتوں ،کتابوں ، مرنے کے بعد اٹھنے اور یوم آخرت پر ایمان نہ رکھتا ہو ، اگر ہم دین محمدی ﷺ کا مطالعہ کریں تو یہ بات ہر خاص وعام جانتا ہے کہ نبی کریمؐ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور رسول بن کر تشریف لائے آپؐ نے خود بھی اعلان فرمایا:

"انا والساعۃ کھاتین "[30]

"اللہ تعالیٰ نے مجھے اور قیامت کو اس طرح اکٹھے بھیجا ہے جیسا کہ یہ دونوں انگلیاں اکھٹی ہیں۔"

ان جیسی بے شمار احادیث ہیں جن سے واضح طور پر ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ آپ ﷺ اور قیامت لازم وملزوم ہیں لہذا اللہ کے فرشتوں ، نبیوں ، کتابوں ، کو عقیدہ آخرت سے کسی طور پر جدا ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ایمانیات کے متعلق متجددانہ رجحانات کسی صورت درست نہیں ہیں کیونکہ یہ قرآن وسنت کی مذکورہ صریح نصوص کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ جمہور آئمہ محدثین اور اسلاف امت، مسلمانوں کے متفقہ اور اجماعی عقیدے کے بھی خلاف ہیں منصفانہ تجزیے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ایمانیات سے متعلق متجددانہ رجحانات کے حاملین کی بنیاد محض عقل پر ہے جو سراسر قرآن وسنت کے خلاف ہے۔

جنت وجہنم کے خارجی وجود سے متعلق متجددانہ رجحان اور اس کا نقد

30۔ بخاری، محمد بن اسمعیل، الجامع الصحیح (لاہور: دارالسلام، 1422ھ)، رقم: 6505۔

خدا تعالیٰ کی تخلیق میں سے دو عظیم نشانیاں جنت اور جہنم کا وجود ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمابردار بندوں کے لئے جنت کا وعدہ جب کہ نافرمان لوگوں کے لئے جہنم کی وعید بیان فرمائی ہے روز قیامت جنت میں داخل ہونے والے کامیاب اور جہنم میں جانے والے ناکام ونامراد ٹھہریں گے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَمَن زُحْزِحَ عَنِ النَّارِوَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ"31

قرآن مجید میں کئی ایک مقامات پر اللہ تعالیٰ نے جنت و جہنم کے خارجی وجود کا تذکرہ فرمایا ہے اسی طرح بے شمار احادیث نبویہؐ میں بھی آنحضرتؐ نے اہل جنت و جہنم کے احوال، ان کی نشانیوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن پر ایمان لانا ہر مسلمان کے لئے لازم اور ضروری ہے، جب کہ بعض متجددانہ رجحانات کے حاملین جنت و جہنم کے خارجی وجود کا انکار کرتے ہوئے جنت و جہنم کو انسان کی خوشی و غمی سے تعبیر کیاہے اور بعض نے ان کے وجود کو یہودیوں اور عیسائیوں کی سازش سے اسلام میں داخل ہونے کی بات کی ہے جب کہ بعض نے کہاہے کہ یہ اس وقت کی باتیں ہیں جب حضورؐ کا شعور مذہبی ہنوز ناپختہ تھا تو آپؐ نے لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لئے ایسی باتیں بیان کی ہیں جب کہ ان کا مادی وجود دہر گز نہیں ہے، ان کا یہ موقف انتہائی خطرناک کن ہے جو سرا سر تعبیراتِ اسلام سے متصادم ہے، اور یہ موقف نہ صرف ایک آدھ کاہے بلکہ اس موقف کو اپنانے والے پاکستان کے نامور لوگ ہیں۔ جن کے موقف کو ہم الگ الگ اور نمایاں حیثیت سے پیش کر رہے ہیں۔

غلام احمد پرویز کا نظریہ

انہی آیات یعنی جو جنت ودوزخ سے متعلق ہیں کی نسبت دو مختلف دماغوں کے خیالات پر غور کرو،ایک تربیت یافتہ دماغ کرتاہے کہ وعدہ وعید دوزخ و بہشت کے جن الفاظ سے بیان ہوئے ہیں ان سے بعینہ وہی اشیاءمقصود نہیں بلکہ اس کا بیان کرنا صرف اعلیٰ درجہ کی خوشی و راحت کو فہم انسانی کے لائق تشبیہ میں لانا ہے۔اس خیال سے اس کے دل میں ایک بے انتہا عمدگی جنت کی اور ایک ترغیب اوامر کے بجا لانے اور نواہی سے بچنے کی پیدا ہوتی ہے اور ایک کوڑھ مغز ملا یا شہوت پرست زاہد یہ سمجھتا ہے کہ درحقیقت بہشت نہایت خوبصورت ان گنت حوریں ملیں گی شرابیں پئیں گے۔میورے کھائیں گے ،دودھ اور شہد کی ندیوں میں نہائیں گے اور جو دل چاہے گا وہ مزے اڑائیں

---

[31] آل عمران،3: 185۔

گے اور اس لغو اور بے ہودہ خیال سے دن رات اوامر کے بجا لانے اور نواہی سے بچنے میں کوشش کرتا ہے اور جس نتیجہ پر پہلا پہنچا تھا اس پر یہ بھی پہنچ جاتا ہے اور کافہ انام کی تربیت کا کام بخوبی تکمیل پاتاہے۔پس جس شخص نے ان حقائق قران مجید پر جو فطرت انسانی کے مطابق ہیں۔غور نہیں کیا، اس نے در حقیقت قرآن کو نہیں سمجھا اور وہ اس نعمت عظمٰی سے محروم رہا۔[32]

اس اقتباس سے یہ معلوم ہوا ،جو لوگ جنت اور اس کی نعمتوں ، دوزخ اور اس کے عذاب و رنج کو ایک حقیقت سمجھتے اور واقع ہونے والا ایک امرخیال کرتے ہیں وہ یا تو کوڑ مغز ملا ہوتے ہیں یا شہوت پرست زاہد یہ دونوں قسم کے لوگ حقیقت قرآن کو مطلق نہیں سمجھتے اور نعمت عظمی سے محروم رہے ہیں۔اصل حقیقت یہ ہے کہ جنت اور دوزخ اور اس کی نعمتیں یا عذاب سب کچھ تصوراتی باتیں ہیں جو انسان میں ترغیب و ترہیب پیدا کرنے کا کام کرتی ہیں۔اور جو لوگ اس حقیقت کو سمجھ گئے وہی تربیت یافتہ دماغ ہیں کیونکہ یہ محض نظریاتی چیزیں ہیں۔ عملی زندگی سے ان کا کچھ تعلق نہیں۔کوئی جنت و دوزخ کو محض خیالی سمجھے یا حقیقت سمجھے۔دونوں کا نتیجہ یکساں ہوتاہے۔یعنی انسان اوامر بجا لاتا اور نواہی سے بچ جاتاہے۔[33]

سید امیر علی کا نظریہ

سیدصاحب اخروی جزا وسزا اور جنت وجہنم کے مادی مناظر کو قدیم قوموں کے جاہلانہ تخیلات کی باقیات قرار دیتے ہیں۔ آپ کے نزدیک قرآنی جنت زرتشتی الاصل ہے۔حو ریں بھی زردشتی نژاد ہیں۔البتہ جہنم عذاب الیم کے مقام کی حیثیت سے ایک تلمو دی تخلیق ہے۔ نیز آپ فرماتے ہیں کہ جنت وجہنم کےواقعیت نما نقشے،جو زرتشتیوں، صابیوں اورتلمودی یہو دیوں کی پادر ہوا قیاس آرائیوں پر مبنی تھے پڑھنے والوں کی توجہ ضمنی حاشیہ آرائیوں کے طور پر اپنی طرف کھینچتے ہیں۔[34]آپ کی تحقیق ہے کہ جنت کے مرصع نقشے مکی سورتوں سے متعلق ہیں جو اس زمانے کی

[32] غلام احمد پرویز، مطالب القرقان (لاہور، طلوع اسلام ٹرسٹ، 2002ء)، 1: 123۔

[33] قاسمی، تفسیر مطالب الفرقان کاعلمی وتحقیقی جائزہ، 2: 479۔

[34]سید امیر علی، روح اسلام، 326۔

پیداوار ہیں جب حضورؐ کا شعور مذہبی ہنو ز نا پختہ تھا۔بعد میں جب آپ کی روح میں کامل بیداری آگئی اور خالق کائنات سے آپ کا تعلق زیادہ گہرا ہو گیاتو آپ کے وہ خیالات جن پر پہلے مادیت کا غلبہ تھا، سراسر روحانی ہو گئے۔[35]

سر سید احمد خان

قیامت در حقیقت تمام کائنات میں ایک لازمی بنیادی تبدیلی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ قرآن کی کسی آیت سے ثابت نہیں ہے کہ روز حشر لوگ موجودہ جسموں میں دوبارہ زندہ ہو ں گے۔قرآن کے زمانہ نزول کے لوگ چونکہ روح پر یقین نہیں رکھتے تھے اس لئے جزا وسزا کی حقیقت سمجھانے کے لئے ان کے تخیل پر اثرانداز ہونے والا طریقہ اختیار کیا گیا جس سے مادی جسم کے از سر نو اٹھائے جانے کا عقیدہ پیدا ہو گیا۔حالانکہ واقعتا مادی اجسام دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے اور جزا وسزا محض روحانی ہو گی۔[36]

محمد علی لاہوری

قرآن مجید میں جہنم کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ انسان اور پتھر اس کا ایندھن ہیں۔گویا یہ شرک وبت پرستی سے پیدا ہو تی ہے۔پتھروں سے مراد ایسے سخت دل لوگ ہیں جو حق کو قبول نہیں کرتے۔عربی میں ایسے ہیبت ناک آدمی کو حجر کہتے ہیں جس پر دوسروں کی بات کا اثر نہ ہو۔لو گو ں کا دوزخ کا ایندھن ہو نا بتاتا ہے کہ یہ انسان ہی کے اعمال کا نتیجہ ہے ۔حتی کہ اس کا ایندھن جس سے یہ آگ جلتی ہے انسانوں کے علاوہ کچھ اور نہیں ' **أُعِدَت لِلكفِرين** ' سے پتا چلتا ہے کہ وہ کفر سے تیار ہوتی ہے مسلما نو ں میں جس قدر کفر کا حصہ ہے اسی قدر اس کے لئے دوزخ ہے۔صحابہ وتابعین اس بات کے قائل ہیں کہ دوزخ پر بالاخر فنا آ جائے گی اور اس میں کو ئی نہیں رہے گا۔[37]

غلام احمد پرویز

قرآن مجید اپنے بسیط حقائق کو محسوس تشبیہات وتمثیلا ت کے ذریعے سمجھا تاہے اس نے جہنم کی اس کیفیت کو بھی مختلف محسوس تشبیہات کی رو سے سمجھایا ہے۔انہی کو قرآن میں بیان کردہ جہنم کی تفصیلا ت کہا جائے گا لیکن

---

[35] امیر علی، روح اسلام ،330۔

[36] سر سید احمد خان، تفسیر مع اصول تفسیر (لاہور، دوست ایسو سی ایشن، 1995ء)، 1934-1935۔

[37] محمد علی لاہوری، بیان القرآن (ربوہ: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، 1401ھ)، 3: 1934-1935۔

انہیں بہر حال تشبیہات ہی سمجھنا چاہیے۔دوسرے لفظوں میں جہنم کسی گڑھے یا ایسے مقام کا نام نہیں جس میں آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور جس میں مجرموں کو جھونک دیا جائے گا۔بلکہ دراصل انسان ہی کے قلب سوزاں کی کیفیت اور اس کے اعمال بد کے نتیجے میں پیدا ہو جانے والے اضطراب پیہم اور کرب مسلسل کا نام ہے۔[38]

جنت وجہنم کے خارجی وجود سے متعلق بحث کا تجزیہ

متجددانہ رجحانات کے حاملین نے آخرت سے متعلق اسلامی تصورات کو اس انداز میں پیش کیا ہے کہ مسلمان ان اسلامی تصورات وعقائد کا یا تو انکار کردیں یا کم از کم ان کی ایسی تعبیر اختیار کریں کہ وہ اصل سے دور ہو کر محض خیالی تصورات بن جائیں بعض لوگوں نے اس سلسلہ میں وہی رنگ اور انداز اپنا یا ہے جو مستشرقین کا مقصودو مدعا تھا۔ چنانچہ انہوں نے نہایت شد ومد سے حشر جسمانی اور اخروی جزا وسزا کے حسی ومادی ہونے سے انکار کردیا ،ان متجددین کی مختلف آراء نے بہت سے مسلمانوں کو بھی آخرت سے متعلق تصورات کے حوالے سے اسی طرح شکوک وشبہات میں مبتلا کر دیا ہے ،راسخ العقیدہ علماء کے تفصیلی دلائل میں معاد کے متعلق انکاراور متجددانہ رجحانات کی غلطی افکار کو واضح کرتے ہوئے صحیح اسلامی تصورات کوعقلی وسائنسی انداز میں ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے،راسخ العقیدہ علماء کے دلائل کے ماحصل پر غور کرنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ معاد کے ضمن میں منکرین آخرت ،اور متجددانہ رجحانات کے حاملین کے خیالات سراسر باطل ہیں۔صرف مذہبی ہی نہیں بلکہ علمی وسائنسی بنیادوں پر بھی آخرت کا نہ تو انکار کیا جا سکتا ہے اور نہ اخروی جزا وسزا اور جنت وجہنم اور ان کے نعماءوالام کو محض روحانی کہا جا سکتا ہے قرآن اور علم وسائنس کی روشنی میں دیانتدارانہ تحقیق یہ بتاتی ہے کہ آخرت نہ صرف ممکن بلکہ عقل وعلم کا لازمی تقاضا ہے اور اخروی جزا وسزا محض روحانی نہیں بلکہ روحانی ومادی دونوں طرح کی ہیں۔دنیا میں انعام واکرام اور سزاؤں کو حسی ومادی ماننے والے اخروی انعام واکرام اور سزاؤں کو کسی بھی منطق کی رو سے مطلقا غیر حسی وغیر مادی قرار دینے میں حق بجانب نہیں ہیں۔

رسولوں کی شفاعت کا مسئلہ

---

[38] پرویز، مطالب الفرقان،1: 327-328۔

شفاعت کا لفظ شفع سے نکلا ہے جس کے معنی ایک چیز کو دوسری سے جوڑنے کے ہیں اور اسی مفہوم سے یہ ترقی کر کے کسی بات کی تائید وحمایت یا کسی کے حق میں سفارش کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔[39] لغوی معنی سے قطع نظر اس کے اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ قیامت کے دن حساب کتاب کے وقت کسی فرد کا کسی خاص مذہب یا شخصیت سے وابستہ ہونا اور اس شخصیت کی سفارش کا مل جانا، اس کی نجات کا سبب بن جائے گا۔ پہلی بات یہ واضح ہونی چاہیے کہ دین کی بنیادی دعوت کیا ہے۔ دین کی بنیادی دعوت توحید و آخرت کی دعوت ہے جو مختلف نبی اور رسول اپنے اپنے زمانوں میں لے کر آئے۔ اس دعوت کی تفصیل یہ ہے کہ انسانوں کا ایک پروردگار ہے۔ انسانوں پر لازمی ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور اس کے احکام کی پیروی کریں۔ کیونکہ ایک دن وہ سارے انسانوں کو جمع کر کے ان کے تمام اعمال کا جائزہ لے گا اور پھر عدل کے ساتھ لوگوں کے ابدی مستقبل کا فیصلہ کر دے گا۔ پورا قرآن اس بات کی دعوت سے بھرا پڑا ہے کہ ایمان و عمل صالح کو اختیار کرو اور نجات پاجاؤ۔ قرآن مجید نہ صرف یہ دعوت دیتا ہے بلکہ نجات کے معاملے میں انسان کی ہر دوسری امید صاف الفاظ میں توڑ دیتا ہے۔ قرآن مجید کی آیت کا ترجمہ ہے کہ "اور ڈرو! اس دن سے جب کوئی آدمی کسی دوسرے کے کام نہ آئے گا اور نہ ہی اس سے کوئی بدلہ قبول کیا جائے گا، نہ اس کے حق میں کسی کی سفارش کام آئے گی اور نہ ہی اسے کہیں سے مدد ملے گی[40] اسی طرح ایک دوسرا مقام "اس دن کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور انسان کو وہی ملے گا جس کے لئے اس نے محنت کی۔ اور اس کی محنت بہت جلد دیکھی جائے گی، پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا [41] مسیحی اور یہودی اپنے اپنے نبیوں کو اللہ کی اولاد اور اس کا چہیتا کہتے تھے اور اسی بنیاد پر نجات کے امیدوار تھے۔ قرآن مجید نے شفاعت اور نسلی وابستگی کی بنیاد پر نجات کی نفی صرف ان ہی کے لئے نہیں بلکہ اس کے ساتھ مسلمانوں کو بھی بتادیا گیا ہے کہ ہر مجرم کو اپنے جرائم کی سزا بہر حال بھگتنا ہوگی۔ فرمایا: "نہ تمہاری آرزوں سے کچھ ہونے کا ہے نہ اہل کتاب کی۔ جو کوئی برائی کرے گا، اس کا بدلہ بھی پائے گا اور وہ اپنے لئے اس کے مقابل کوئی کوئی کارساز اور مددگار نہیں پائے گا"۔[42] شفاعت میں دراصل اللہ تعالیٰ کی دو شفاعت کا اظہار ہوتا ہے۔ ایک اس کا عدل جس کے تحت جب ایک شخص معافی کا مستحق ہو جاتا ہے تو اسے معاف کرنے کا فیصلہ

---

[39] امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، 2009ء)، 349:2۔

[40] البقرۃ2: 123۔

[41] النجم41: 38۔

[42] النساء4: 123۔

کر لیا جاتا ہے۔ دوسری صفت جس کا شفاعت میں ظہور ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ یہ رحمت دو طرفہ ہوگی ایک طرف مجرم کے ذرہ برابر ایمان کو بھی قبول کر کے جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور دوسری طرف خدا چاہے گا کہ اس موقع پر عزت کا تاج وہ اپنے کسی نیک بندے کے سر پر رکھے۔ چناچہ اس مجرم کے حق میں لوگوں کی سفارش قبول کی جائے گی اور اس میں بھی شروط وہی ہو گی جو پہلے اللہ تعالیٰ اجازت دیں گے اور پھر کہنے والا اللہ تعالیٰ کے قانون عدل کے مطابق ہی معافی کی درخواست کرے گا۔ معافی کا فیصلہ تو اللہ تعالیٰ پہلے ہی کر چکے ہوں گے اس لئے اس شفاعت کو قبول کر لیا جائے گا۔ یوں اس مجرم کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور اس سفارش کرنے والے کی ہر جگہ تعریف ہوگی۔ شفاعت کا یہ حق اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ اپنے پیارے نبیؐ کو دیں گے۔ جب کہ بعض لوگوں نے بے شمار احادیث کو ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ انہی احادیث میں سے ایک اہم حدیث مسئلہ شفاعت ہے جس کو بعض لوگوں نے قرآن کے خلاف قرار دے کر ماننے سے انکار کر دیا ہے۔[43] جب کہ قرآن وسنت کے بے شمار دلائل اور واضح نصوص جو مسئلہ شفاعت پر موجود ہے قرآن وسنت کے ان دلائل کو بنیاد بنا کر ناقدین نے متجددانہ رجحانات کے حاملین کا نقد کیا ہے، ناقدین کے ان دلائل کو ہم بالترتیب ذکر کر کے مسئلہ شفاعت کی حقیقی اور اسلامی تعبیر کو واضح کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں شفاعت کا تصور

دین اسلام میں شفاعت کا مسئلہ چونکہ ایک خاص اہمیت کا حامل ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں دیگر احکامات کے ساتھ ساتھ شفاعت کے بارے میں بھی وضاحت کی گئی ہے چناچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "یَوْمَ یَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلائِکَةُ صَفّاً ---------وَقَالَ صَوَاباً۔"[44] "جس دن جبرئیل اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ کوئی بات نہیں کرے گا مگر جس کو رحمن اجازت دے اور وہ بالکل ٹھیک بات کہے" ایک اور مقام پر فرمایا:

" یَوْمَئِذٍ لا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ ---------قَوْلاً" [45]

"اس دن شفاعت نفع نہ دے گی۔ سوائے خدائے رحمان جس کو اجازت دے اور جس کے لیے کوئی بات کہنے کو پسند کرے۔"

---

[43] امین احسن اصلاحی، شرح صحیح بخاری (لاہور: مکتبہ اشرفیہ، 2005ء)، 1: 188- 190۔

[44] النبا 78:38۔

[45] طہ 20: 109۔

ان آیات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ روز قیامت نبی اکرمؐ اللہ تعالیٰ کے ہاں اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کسی کی سفارش نہیں کریں گے، اور سفارش بھی صرف اس آدمی کے لئے ہو گی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ اجازت دیں گے۔ قرآن مجید میں اس بنیاد کو واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ بنیاد کسی مذہب، نسل یا شخصیت سے وابستگی کی بنا پر نہیں ہو گی بلکہ صرف اور صرف توحید سے وابستگی کی بنا پر ہو گی، اس قانون کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دو مقامات پر بالکل کھول کر بیان کر دیا ہے۔ جس میں ایک جگہ "بے شک اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرے گا اس کے سوا جس گناہ کو چاہے گا وہ معاف کر دے گا"۔[46] اس قانون میں تین چیزیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک یہ کہ شرک کسی صورت معاف نہیں ہو گا، دوسرے یہ کہ شرک سے ہلکے جرائم چاہے ان کی نوعیت کچھ بھی ہو معاف کئے جا سکتے ہیں، تیسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے خالص انسانی نفسیات کے پس منظر میں کی ہے کہ یہ معافی ہر شخص کے لئے نہیں ہو گی۔ اس تیسری بات کا مطلب سمجھ لیجئے کہ انسان کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ جیسے ہی رعایت کا سنتا ہے فوراً گناہوں پر بہادر ہو جاتا ہے۔ ایک عام آدمی اس آیت کا یہ مطلب لے سکتا ہے کہ اگر میں شرک نہیں کرتا تو کوئی حرج نہیں، قتل اور زنا تو کر سکتا ہوں، کیونکہ اس کی معافی ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے تیسری بات سے بھی امید ختم کر دی ہے کہ کس کو معاف کرنا ہے اس کا فیصلہ خود اللہ تعالیٰ کریں گے، ہر شخص معافی کی یہ امید رکھ کر گناہ نہ کرے۔ سورۃ بقرہ میں یہود کے حوالے سے جو کچھ بیان ہوا ہے ہم اسے ذکر کرتے ہیں کیونکہ اسی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ معافی کن کے لئے ہے؟ اور کن کے لئے نہیں ہے۔ "اور وہ کہتے ہیں کہ انہیں دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی مگر صرف گنتی کے چند دن۔ پوچھو: کیا تم نے اللہ کے پاس اس کے لئے کوئی عہد کرا لیا ہے کہ اللہ اپنے عہد کی خلاف ورزی نہیں کرے گا، یا تم اللہ پر ایک ایسی تہمت باندھ رہے ہو، جس کے بارے میں تمہیں کچھ علم نہیں۔ ان آیات کو سورۃ نور کی آیت کے ساتھ ملا کر جیسے ہی پڑھا جاتا ہے اصل بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ معافی توحید پر قائم رہنے والے ان لوگوں کے لئے ہو گی جن کے گناہوں نے ان کا احاطہ نہیں کر لیا ہو گا۔ یعنی ان کے نامہ اعمال میں بالفرض بڑے بڑے جرائم ہوئے بھی تو یہ گناہ ان کے دن رات کا شغل اور زندگی کا معمول نہیں ہوں گے۔ تو اس کی شفاعت کی امید کی جا سکے گی۔ حافظ صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں :

---

[46] طٰہٰ 20: 109۔

"اس حدیث اور دیگر احادیث شفاعت کا مطلب ہے کہ قیامت کے دن نبی ﷺ موحد مسلمان گناہ گاروں کی شفاعت فرمائیں گے جن کی بابت اللہ تعالی اجازت فرمائے گا، اسی لیے بعض اعمال پر بھی شفاعت کی خوشخبری احادیث میں دی گئی ہے۔اور بعض ان موحدین کو بھی نبی اکرمؐ شفاعت کے ذریعے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا جو بطور سزا عارضی طور پر جہنم میں گئے ہوں گے۔" 47

مسئلہ شفاعت سے متعلق بحث کا تجزیہ

شفاعت کے دو پہلو ہیں، ایک کسی مجرم کے گناہوں کی معافی اور دوسرے شفاعت کرنے والے کی حیثیت۔ معافی کے متعلق تو سارا قانون ہم نے اوپر بیان کر دیا ہے البتہ یہ مسئلہ ہنوز تشنہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر لوگوں کو اپنے ایک قانون کے تحت معاف کریں گے تو پھر اس میں دوسروں کی سفارش کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے۔ یہی وہ بات ہے جو اصل میں سمجھ لینی چاہیے، یہی وہ وجہ ہے جس کو نہ سمجھنے کی بنا پر ساری غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ صحیح احادیث میں شفاعت کا عقیدہ اور اسکی شرعی حیثیت ظاہر و باہر ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے:

"سب سے زیادہ خوش قسمت میری شفاعت میں قیامت کے دن وہ ہوگا جو اپنے دل و جان سے خلوص کے ساتھ لَا اِلَہ اِلَا اللہُ پڑھتا ہوگا"۔ [48]

اس حدیث کے تحت شفاعت کی تنکیر کا رد سے واضح ہوتا ہے۔ اس مسئلہ میں حافظ صلاح الدین کا موقف دلائل کی رو سے نہایت قوی اور مضبوط ہے جو کہ متجددانہ رجحانات کے حاملین کے موقف کی بنیاد اور ان کے اعتراضات کی حیثیت کو ختم کر دیتا ہے۔ کیونکہ شفاعت کا حق اللہ تعالیٰ جن لوگوں سے راضی ہوگا روز قیامت عطاء فرمائے گا جس کا ذکر قرآن و سنت کی نصوص بالکل واضح موجود ہے جس کا انکار ہرگز نہیں کیا جاسکتا۔ منصفانہ تحقیق کے بعد ہم جس نتیجے تک پہنچتے ہیں وہ یہی ہے کہ متجددانہ رجحانات کے حاملین کا موقف "مسئلہ شفاعت کا انکار" سراسر اسلام کی حقیقی تعبیر اور قرآن و سنت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے اجماعی موقف کا انکار ہے۔

---

[47] حافظ صلاح الدین یوسف، مولانا امین احسن اصلاحی اپنے حدیثی و تفسیری نظریات کی روشنی میں، 296۔

[48] بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح (لاہور: مکتبہ دار السلام، 2006ء) 1/ 213۔